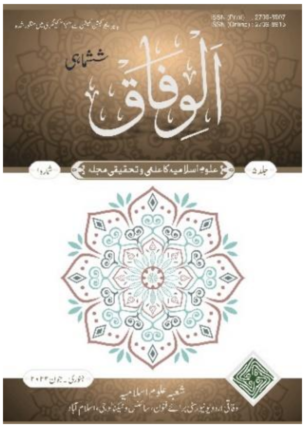

Al-Wifaq Research Journal of Islamic Studies
Volume 5, Issue 1 (January - June 2022)
eISSN: 2709-8915, pISSN: 2709-8907
Journal DOI: https://doi.org/10.55603/alwifaq
Issue Doi: https://doi.org/10.55603/alwifaq.v5i1
Home Page: https://alwifaqjournal.com/
Journal QR Code:

Article	اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اسلامی اخلاق واقدار کی اہمیت: مستقبل کے معمارانِ قوم کی تربیت اور عصری چیلنجز کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ The Significance of Islamic Ethics in Higher Educational Institutions: An Analytical Study in backdrop of the Training of Future Architects of the Nation and Contemporary Challenges	Indexing
Authors	Dr. Noor Hayat Khan[1] Dr. Shoaib Arif[2]	
Affiliations	[1]NUML, Islamabad, Pakistan. [2]University of Gujrat, Gujrat, Pakistan.	
Published	30 June 2022	
Article DOI	https://doi.org/10.55603/alwifaq.v5i1.u16	
QR Code		
Citation	Noor Hayat Khan, Dr. and Shoaib Arif, Dr. *"The Significance of Islamic Ethics in Higher Educational Institutions: (An Analytical Study in backdrop of the Training of Future Architects of the Nation and Contemporary Challenges)"* Al-Wifaq, June 2022, Vol.5, No.1, 259–277	
Copyright Information:	اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اسلامی اخلاق واقدار کی اہمیت: مستقبل کے معمارانِ قوم کی تربیت اور عصری چیلنجز کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ The Significance of Islamic Ethics in Higher Educational Institutions: An Analytical Study in backdrop of the Training of Future Architects of the Nation and Contemporary Challenges © June 2022 by Dr. Noor Hayat Khan & Dr. Shoaib Arif is licensed under CC BY 4.0	
Publisher Information:	Department of Islamic Studies, Federal Urdu University of Arts Science & Technology, Islamabad, Pakistan.	

اعلی تعلیمی اداروں میں اسلامی اخلاق واقدار کی اہمیت:
مستقبل کے معمارانِ قوم کی تربیت اور عصری چیلنجز کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ

The Significance of Islamic Ethics in Higher Educational Institutions: An Analytical Study in backdrop of the Training of Future Architects of the Nation and Contemporary Challenges

*ڈاکٹر نور حیات خان

** ڈاکٹر شعیب عارف

<u>ABSTRACT</u>

High moral and spiritual values are the most superb differentia of Islam. Islam first emphasizes the cultivation of moral and spiritual values and most of the teachings of Islam contain material for the moral and spiritual training of man and their aim is to shape man in terms of character.

The main purpose of education is the moral and spiritual training of a person. In today's modern era, the importance of higher education institutions, especially colleges and universities, has become even more important to provide high moral and spiritual training to students. Because these students of higher educational institutions will be the architects of the future and role models for future generations, this work can be done well through the teaching of Islamic studies and Islamic subjects within institutions of higher education. It is also the primary responsibility of the teachers of the Islamic Departments to give high moral and spiritual training to the students in the light of the arguments of the Quran and Hadith and also to organize practical training for the students in their classes. Without developing high moral and spiritual values, they cannot prepare the students coming to colleges and universities for a better future. We can lay the foundation of modern and developed society only by having high moral and spiritual values.

<u>KEYWORDS</u>

Ethics, Moral Values, Educational Morals, Moral Values in Higher Educational Institutions.

آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی مبارک زندگی انسانی خیر خواہی کے اعمال سے عبارت ہے اور دنیاوی فلاح و بہبود

*ایسوسی ایٹ پروفیسر وصدر شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئیجز، اسلام آباد

** لیکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات

کے ساتھ ساتھ فلاحِ اخروی کے واضح راہنما اصول بھی اس میں موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے اسلامی اخلاق و اقدار کی ایسی تعلیم دی ہے جس کے بغیر صحیح انسانی تہذیب و تمدن کی بقاء اور معاشرے کی تعمیر و ترقی ممکن نہیں۔[1]

موضوع ہذا کی اہمیت کا جائزہ لیا جائے تو دنیا میں اصولِ حکمرانی، انسانی فلاح و بہبود پر مبنی معاشرہ اور امن و سلامتی سے ہمکنار کرنے والے افراد ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسے حالات میں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اسلامیات کی تدریس کے ذریعے اعلیٰ اسلامی اخلاقیات و اقدار کا احساس طلبہ کے اندر اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ حسنِ اخلاق اور بہترین اقدار کے توسط سے رہنما اصولوں پر مبنی ایک شعوری انسانی معاشرہ کی تشکیل کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔

اسلامی اخلاق و اقدار کے ذیل میں یہ بات نہایت ہی واضح ہے کہ ایک زمانہ تھا، جس میں انسان اپنی خود پسندی اور انا کا شکار تھا، جو کسی جگہ Adjust نہیں ہو پا رہا تھا، لیکن اسلام نے اعلیٰ تعلیم، اخلاق اور اقدار کے ذریعے اسے بنیان مرصوص میں تبدیل کر دیا اور معاشرہ کے ہر فرد کو احساسِ ذمہ داری سے روشناس کیا، جس نے ہر ایک کو مناسب مقام اور حیثیت دی۔ ظلم و ناانصافی کو مٹا کر ہر فرد کو دوسروں کے لیے خیر خواہ و مددگار بنایا۔ یہ سب کچھ محض زیورِ تعلیم ہی کے ذریعے سے ممکن ہوا، جو اسلام کی نظر میں ایک بہترین علاج ہے کہ جس نے انسانی انانیت و خود پسندی کو کم کر کے انسان کو مفید اور موزوں معاشرتی فرد بنا دیتا ہے۔

اسلام کی نظر میں ایسی افراد سازی، جو عظیم اخلاق و اقدار اور کردار سے مزین ہو، ایک جہادِ عظیم ہے۔ جن کا مطمع نظر انسانی فلاح و بہبود کے توسط سے محض رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ انسانی خیر خواہی اور فلاحِ معاشرہ کے لیے ان کی گردنیں محض رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کٹتی اور جھکتی ہیں۔ ایسے معاشرے اور ریاست کو اسلام نے بہترین اور مثالی قرار دیا ہے، جہاں تمام رعایا کی دنیوی و اخروی خیر خواہی اور مفاد کو مدِ نظر رکھا جاتا ہو۔ اسی کو فلاحی ریاست کہا جاتا ہے جو حقوق کی ترسیل میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کو بھی روا نہیں رکھتی ہے۔ ان تمام تر خوبیوں کو نکھارنے کا تعلق محض تعلیم سے نہیں، بلکہ اسلامی تعلیم و اخلاقیات سے ہے۔ لہٰذا اگر یہ ضروری ہو کہ فرائض کی انجام دہی کے لیے احساسِ ذمہ داری پیدا ہو، تو دیگر نصابات ہائے تعلیم میں اسلامی اخلاق اور اقدار کے تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ دینا ہوگی، تاکہ اپنے دور کے چیلنجز سے عہدہ براں ہو کر موجودہ اعلیٰ تعلیمی اداروں کے مقاصدِ تعلیم کو حاصل کیا جا سکے۔ اس تناظر میں مقالہ ہذا درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

تعلیمی ادارے اور مقاصدِ تعلیم کا باہمی تعلق

مقاصدِ تعلیم سے مراد یہ ہے کہ ہم وطنِ عزیز کے شہریوں کو جس مقصد کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے آئینِ پاکستان کی کون کون سے دفعات ہماری راہنمائی کرتیں ہیں؟ اس سلسلے میں درج ذیل دفعات کو پیش کیا جا سکتا ہے:

- پاکستانی مسلم سماج کے انفرادی و اجتماعی زندگی اسلام کے بنیادی اصول و تصورات کے مطابق ڈالنے کے لیے

بنیادی اقدامات کئے جائیں گے، جن کی رو سے وہ بنیادی ماخذ دین یعنی قرآن و سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں۔[2]

آئینِ پاکستان میں مسلمانانِ پاکستان کے لیے درج ذیل کوشش بروئے کار لانے کی یقین دہانی کی گئی ہے:

- قرآن مجید اور اسلامیات کو لازمی قرار دینے، عربی زبان کی حوصلہ افزائی اور اس کے لیے سہولت مہیا کرنا اور قرآن مجید کی صحیح اور من و عن طباعت و اشاعت جیسے امور اس میں شامل ہیں۔
- اسلامی و اخلاقی معیاروں کی پابندی اور اتحاد کو فروغ دینا۔[3]
- مملکت کے پسماندہ طبقات اور علاقوں کی تعلیمی اور معاشی حالت کو خصوصی توجہ اور فروغ دینا۔
- ناخواندگی کے خاتمہ کے ساتھ مفت اور لازمی ثانوی تعلیم مہیا کرنا۔
- فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کو عام اور ممکن الحصول بنانے کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کو اہلیت کی بنیاد پر تمام شہریوں کے لیے مساویانہ بنیادوں پر قابل دسترس بنانا۔
- ہر علاقے کے افراد کو تعلیمی، تربیتی اور دیگر قومی سرگرمیوں کے ذریعے پاکستان کی خدمت میں شامل کرنا۔[4]
- پاکستان کا مملکتی مذہب اسلام ہوگا، اور قرارداد مقاصد مستقل احکام کا حصہ رہے گا۔[5]

قرارداد مقاصد

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی نمائندہ مجلس دستور ساز نے دیگر فیصلوں کے علاوہ تعلیم کو اسلام کے اصولوں کے مطابق ڈالنے کے لیے بھی نہایت قابل قدر کوششیں کیں ہیں، جس کا تذکرہ دستور کے اندر مختلف پیروں میں کیا گیا ہے جس کا تذکرہ مشتاق الرحمٰن ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "ہمارے ملکی تعلیمی ادارے مغربی طرز پر اور اسلامی مدارس قدیم طرز پر ہیں، جو تعلیم میں تفریق اور دوئی کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ایک طرف مادی ماحول کے تقاضوں کی پاسداری کا اہتمام تو دوسری طرف اپنے بنیادی نظریہ حیات کو محدود کرتے ہوئے ایسی نصابی قدغنیں لگادی گئی ہیں، جو مدرسے کے نظامِ تعلیم کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہونے دیتیں۔ نتیجتاً دونوں طرح کے نظام ہائے تعلیم سے نکلنے والے افراد میں کسی قسم کی کوئی ذہنی و فکری ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکی بلکہ دونوں کے فکر و نظر میں تضاد پیدا ہوا اور ایک دوسرے کے حریف ٹھہرے"[6]

نئی نسل کو ذہنی، فکری، علمی اور عملی طور پر تیار کرنا تعلیمی اداروں کا کام ہے۔ ان کے نصاب تعلیم کا دار و مدار ریاست کی قومی تعلیمی پالیسی پر رہتا ہے، جو مستقبل کے اہداف کا تعین کیا کرتے ہیں، جسے مقاصد تعلیم سے جانا جاتا ہے، جو وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ دیگر ریاستی امور و معاملات کی طرح تبدیلیوں اور تغیرات سے گزرتے ہیں، اور یوں تعلیمی اہداف

بھی متغیر رہتے ہیں۔ چونکہ نصابِ تعلیم قومی اہداف سے مشروط ہوتا ہے، اس لیے اس میں بھی وقتاً فوقتاً تبدیلیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک ترقی دوست ریاست وقت اور حالات کا ادراک کرتے ہوئے اپنی دیگر پالیسیوں کے ساتھ تعلیمی نظام کی فعالیت کو برقرار رکھنے کی خاطر اس میں بھی حسب ضرورت ترامیم واضافہ کرتی رہتی ہے۔ پاکستان کے نظام تعلیم میں مختلف ادوار میں تبدیلیاں لائی گئیں، لیکن وہ حقیقت پسندی کا مظہر نہ ہونے کی وجہ سے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب کرنے میں ناکام رہیں، کیونکہ ان میں کوئی منطقی ربط اور تسلسل نہ تھا۔

مقاصد تعلیم کے حوالہ سے مسلم ماہرین تعلیم کے آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم وتربیت کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ انسانی فطرت میں (علم الانسان مالم یعلم) کی جو قدرتی صلاحیت ہے، اس کو ممکن تک بروئے کار لانے کے لیے موزوں بنایا جائے، مانجھا اور صاف کیا جائے۔ تعلیم قدیم ہو یا جدید، سب کا حقیقی نصب العین یہی رہا ہے۔

جہاں تک بات ہے جدید تعلیم کی، کہ وہ انسان میں ریل و موٹر، گراموفون اور ریڈیو کے ایجاد کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے جس سے عام انسان یہ سمجھ جاتا ہے کہ واقعی دنیا کی عصری جامعات تعلیمی ادارے نہیں، بلکہ مصنوعات کے کارخانے ہیں۔ لیکن غور کرنے پر ان کو پھر تعجب ہوتا ہے کہ تاریخ، فلسفہ، معاشیات، نفسیات، اور لسانیات کے اساتذہ ہی نہیں، جو فنون کے معلم ہیں، بلکہ سائنس وحکمت کے ماہرین کی بھی کوئی موٹر جب خراب ہوتی ہے تو بنانا تو دور کی بات، وہ معمولی کل پرزوں کی اصلاح بھی نہیں کر سکتے۔ عالم، ماہر اور پروفیسر کھڑا دیکھتا رہ جاتا ہے اور جاہل اپنی فنی مہارت کا ثبوت دکھاتا رہتا ہے۔

الغرض تعلیم گاہوں میں جو بھی تعلیم دی جاتی ہے، اس کا تعلق علمی نظریات اور کلیات سے ہوتا ہے۔ ایسے نظریات اور کلیات جن کی روشنی میں فطرت کے قوانین واضح ہوتے ہیں۔ اب یہ ہو سکتا ہے کہ ان ہی قوانین کے علم سے آدمی کسی ایسی چیز کو ایجاد کرلے جس کا علم پہلے سے اسے حاصل نہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جامعاتی تعلیم ایجادات واختراعات کے لیے مقدمہ کا کام دے سکتی ہے، لیکن یہ باور کرنا کہ ان جامعات میں بھی چیزوں کے بنانے اور ڈھالنے کا کام طلبہ سے کرایا جاتا ہے۔ نہ یہ واقعتاً ہے اور نہ یہ مدارس وجامعات کے قیام کی غرض ہے۔ تعلیم کی غرض جو ہمیشہ سے تھی، وہی مقصد اب بھی ہے پہلے وہی ما لم یعلم (جسے نہیں جانتا) کے متعلق یعلم (انہیں جاننے) کی صلاحیتوں کی نشوونما میں کوشش کی جاتی تھی اور اب بھی جبلت بشری کی اسی عجیب وغریب قدرتی ودیعت کو ابھارنے اور اجاگر کرنے میں سارا زور صَرف کیا جاتا ہے، خواہ وہ فنون کا شعبہ ہو یا سائنس (حکمت) کا۔[7]

قانون پڑھانے والے تعلیمی اداروں کا کام نظامِ قضاء کے بارے میں تعلیم وتربیت دینا ہوتی ہے۔ عدل وانصاف، حلال حرام، صدق وکذب، عفوودرگزر، صبر واستقلال کا خاص طور پر اس نظام سے مضبوط رشتہ استوار ہے۔ اسلامی اقدار کے احیاء کا عملی ذمہ دار یہی نظامِ قضاء ہے۔ معاشرے میں تصفیہ طلب امور کے حل اور حق دار کو حق دلانا اور مظلوم کی داد

رسی عدالت ہی کی ذمہ داری ہے۔ تاہم وطن عزیز پاکستان میں قانون کی اس ڈگری {ایل ایل بی-پانچ سالہ} میں اسلامی قانون کو متعارف کرنے والا اسلامیات کا ایک بھی مضمون شامل نہیں ہے۔ اگرچہ چند موضوعات جن میں اسلامی قانون وراثت، بیع و شرائع، اجتہاد، قیاس و اجماع، طلاق، خلع، نکاح کے حوالے سے بحث نصابِ تعلیم (برائے قانونی تعلیم) کی کتب میں مختصراً موجود ہیں، تاہم ان عنوانات کا تعلق ایک لحاظ سے قانون سے ہے، لیکن بحیثیت مجموعی وحی اور الہام کے بجائے عقلی علوم کی چھاپ زیادہ ہے۔ اس لحاظ سے اسلامیات کا لازمی قرار دینا ملک کے اندر سراسر زیادتی ہے، جس کا قصور وار نصابِ اسلامیات ٹھہرایا جاتا ہے۔[8]

اسی طرح زرعی تعلیمی جامعات اور کلیات میں نوجوان نسل کو اس فیلڈ میں ڈپلومے اور ڈگریاں دی جاتی ہیں، جو اندرون و بیرون ملک اپنے شعبہ میں خدمات سرانجام دے رہے ہوتے ہیں، تاہم نہ صرف یہ کہ ان کے کورسز میں کسی بھی سطح پر اسلامیات کی کوئی قابل ذکر کتاب شامل نہیں جو اسلامی نقطہ نظر سے زراعت کا تعارف کرا سکے، بلکہ ان اداروں میں اسلامی اقدار کی تعلیم و تربیت کی ترغیب بھی نہیں دی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان اداروں کے فارغ التحصیل اپنے مضمون میں اچھے زرعی ماہر تو بن سکتے ہیں، لیکن وہ قابل تقلید اسلامی ماہرین زراعت نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان علوم کا اسلامی تعلیمات سے رشتہ استوار کرنے کے مواقع پیدا کیے جائیں تاکہ ایک طرف زراعی ترقی ہو تو دوسری طرف معاشرہ اخلاقی اور روحانی طور پر مضبوط ہو جائے، جو تعلیم کا اصل مقصد ہے۔ انسان نہ صرف پیٹ پالنے یعنی کھیتی باڑی کے لیے پیدا ہوا ہے، اور نہ محض روحانیات کے لیے، بلکہ ان دونوں کا مجموعہ انسان سے مطلوب ہے۔ ہر شعبہ زندگی میں اسلامی اقدار کا احیاء ضروری ہے۔ ان نصابات کو اسلامی تعلیمات کے تابع مرتب کرنا قومی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ جس سے معاشرے میں سب ادارے روبہ عمل ہوں گے۔ جیسا کہ مسلم مفکرین کا خیال ہے:

> "Unfortunately, Muslim communities and nations are far from properly integrating Islamic belief and injunctions into the curricular and syllabi of various disciplines for different levels and types of education. The Islamic movements of this century have produced good and valuable literature. But most of it is oriented toward the urban middle-class people who possess an average or above average education. For the younger age groups for the mass of people who are fortunate to be functionally literate and for the high-level technical and professional manpower, there is next to nothing that can adequately disseminate the knowledge of Islamic belief and injections and cultivate it among the learners' such belief, attitude, and values. No systematic efforts seem yet to have been made or planned to meet this dire need".[9]

"بدقسمتی سے مسلمان معاشرے اور اقوام اس چیز سے کہیں زیادہ دور ہیں کہ وہ تعلیم کی مختلف

سطحوں اور مختلف اقسام کے نصاب اور سلیبس میں اسلامی عقائد اور اسلامی احکامات کو مناسب طریق سے شامل کر سکیں۔ اس صدی کی اسلامی تحریکات نے اچھی اور قابل قدر ادب پیدا کیا ہے لیکن اس ادب کا زیادہ حصہ شہری مڈل کلاس کے لوگوں پر مبنی ہے جو اوسط یا زائد اوسط تعلیم کے حامل ہیں۔ چھوٹی عمر کے طبقات کے لیے، ان لوگوں کے لیے جو کہ عملی طور پر خواندہ ہیں اور اعلیٰ سطح کے فنی اور پیشہ ورانہ افرادی قوت کے لیے اس میں کوئی چیز نہیں ہے جو اسلامی عقائد اور احکامات کے علم کو کافی حد تک جذب کر سکیں اور متعلمین کے درمیان ایسے عقائد، رویے اور اقدار کو پروان چڑھا سکیں۔ لگتا یوں ہے کہ اس اشد ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کوئی باضابطہ منظم کوشش نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی کوئی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔"

ان آراء کی روشنی میں اسلامی دنیا، خاص کر پاکستان جو اپنے کردار اور جغرافیائی حوالے سے اہمیت کا حامل ہے، ان میں ہر سطح اور ہر پیشہ و فن کے تعلیمی نصاب کو بنیادی اسلامی عقائد، اقدار اور تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں کیا گیا۔ اس لحاظ سے ملک کی افرادی قوت اسلامی اقدار اور تعلیم و تربیت سے محروم ہیں جس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تعلیم و تعلم میں دونوں (اساتذہ اور طلباء) بنیادی عناصر ہیں لہذا نظام تعلیم کا کوئی بھی شعبہ یا سطح ہو، ان سب کا تعلق تعلیم و تربیت سے ہی ہے۔ اور اسلام جو کہ جامع دین اور زندگی کے ہر شعبہ میں ایسی تعلیم و تربیت کا علم بردار ہے، جو اسلامی تعلیمات اور اقدار کے تابع ہو۔

تعلیمی ادارے اور اسلامی اخلاق و اقدار کی صورت حال

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آج کے دور میں تعلیم پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ بچوں کو اچھی سے اچھی تعلیم دلوائیں۔ اس مقصد کے لیے مقدور بھر سب سے مہنگے اداروں میں ان کو داخل کرایا جاتا ہے، تاکہ اچھی تعلیم پائیں اور ان کا مستقبل روشن ہو، لیکن دور جدید کے مسائل نے ان معمارانِ قوم کو اپنا مقصد بھلا دیا ہے۔ اور اچھی تعلیم کے نام سے وہ دھوکا دیئے جارہے ہیں۔ اس تعلیم کی چند خامیاں درج ذیل ہیں:

تعلیم میں دینی تربیت کی کمی

اسلام میں عموماً علم کی پذیرائی کی گئی ہے جس کا اندازہ پہلی وحی کے پہلے لفظ "اقرا" سے لگایا جاسکتا ہے۔ مگر بد قسمتی یہ ہے کہ جدید دنیا میں عملی طور پر تعلیم کو محض دنیا آباد کرنے سے جوڑ دیا گیا ہے، جو رشد و ہدایت سے خالی ہے۔ حالانکہ اسلام میں جس علم کا ذکر ہے اس سے دونوں جہاں میں اعلیٰ مقام ملنے کا ذکر ہے۔ یہ خدا خوفی اور خدا شناسی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان شناسی اور انسانی خدمت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ علم کے حصول میں اسلام کے سرچشمہ علوم قرآن و حدیث اور ان دونوں سے ماخوذ علم سے ہی راہنمائی ممکن ہے، جس کو سلیبس میں کم ہی توجہ دی جاتی ہے۔

عصری تعلیم جس کا اس قدر اہتمام ہے کہ بچوں اور بچیوں کو دو، ڈھائی سال کے عمر میں اس میں داخل کر یا جاتا ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ یہی بچے، بچیاں بالغ ہونے کے باوجود اہم اور بنیادی امور دین بجالانے کو ضروری امر نہیں سمجھتے۔ مثلاً نماز، روزے کی ادائیگی اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور اس کا معنی و مفہوم سمجھنا وغیرہ۔ عصری تعلیم اسکول جانے سے لے کر ہوم ورک، پروجیکٹ تیاری اور امتحان کی تیاری تک، ہر مرحلے کے لیے ہر طرح کی مال و وقت کی قربانی دینے کا ہمارے ہاں خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے، تاہم ان میں سے ایک بڑی تعداد کے لیے ضروریاتِ دین کے ضروری مسائل سے واقف ہونا ضروری ہے۔

نوجوان نسل کو ڈاکٹری، انجنیئرنگ اور دیگر علوم کا ماہر ضرور بنایا جائے اور اس کی ضرورت بھی ہے، تاہم سب سے پہلے ان کا اچھا مسلمان ہونا اس سے بھی ضروری امر ہے۔ بنیادی ارکانِ اسلام کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی سیرت اور اسلامی تاریخ سے بھی ان کو ضرور آگاہی ہونی چاہیے، تاکہ ہمارے یہ بچے جو دنیاوی علوم کے ماہرین بننے کے ساتھ شریعت اسلامیہ کے بھی ماہر ہوں تاکہ کل بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمارے لیے باعث افتخار ہوں اور شرمندگی کا باعث نہ ہوں۔

اخلاقی تعلیم و تربیت

معاشرے کا رخ بدلنے اور سماج میں دیگر سرگرمیوں پیدا کرنے میں کلیات و جامعات کا عمل دخل کافی حد تک بڑھ گیا ہے، جس کا دیگر فوائد کے ساتھ ساتھ ایک بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ وہ مسجد و مدرسہ جن سے وابستہ افراد کی عبادات کے ساتھ ساتھ نظام معاشرت کے معاملات طے کرنے، تعلیم، امدادی و فلاحی سرگرمیوں، عام معاشرتی مسائل کے حل، انسانی خبر گیری، ایک دوسرے کے معاملات سے آگاہی، مریضوں کی عیادت، محلے اور علاقے سے برائیوں کا خاتمہ، نیکیوں کو فروغ دینے، عوام کی اخلاقی اور فلاحی تربیت کرنا اجتماعی ذمہ داری تھی، کلیات و جامعات کے زمام کاروں کے پاس چلی گئی۔ اس لحاظ سے آج کی سماجی ریفارم کی تمام تر ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں، جو ایک منصفانہ رائے ہے، کیونکہ اگر دیکھا جائے تو مسجد و مدرسہ میں سماج کا بہت کم فیصد افراد آتے ہیں اور اس کے مقابلے میں کلیات و جامعات میں کتنے زیادہ فیصد لوگ جاتے ہیں۔ اس تناسب کو مد نظر رکھتے ہوئے معاشرے کے بناؤ و بگاڑ کا احساس اور اس کی اصلاح کی ذمہ داریوں کو بھی قبول کر لینا چاہیئے۔

اسی طرح کسی بھی معاشرے کے بناؤ اور بگاڑ میں جس فرد کا مرکزی کردار ہے وہ استاد ہے، جن کا بنیادی کام علم کے ساتھ اخلاق کو پروان چڑھانا ہوتا ہے، جو آخری نبی کے وارث بھی ہیں، جن کی ذمہ داری علم و اخلاق[10] کی آبیاری تھی۔ لیکن افسوس! اس احساسِ ذمہ داری کو مغربی نظام تعلیم اور فکر و فلسفے نے معاشرے سے ختم یا محدود کر کے رکھ دیا ہے۔ محض سائن بورڈز پر امتحانات میں اول دوم اور سوم کے پوزیشنوں کے اشتہارات سے تعلیمی اداروں کو مستند اور کارآمد نہیں

بنایا جا سکتا اور نہ تربیت کے نام سے مخصوص ادارے چلا کر اساتذہ کو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش قرار دیا جا سکتا ہے جب تک معاشرے کے تبدیلی میں اس کا مثبت کردار سامنے نہ آئے۔

اس سلسلے میں استاد اور شاگرد دونوں علم و عمل اور اجر میں شریک ہیں[11]، اور ان کا بڑا مقام بھی ہے، اگر عالم اور استاد کا ایک طرف بڑا رتبہ بیان ہوا ہے اور عالم کی موت کو عالَم کا موت قرار دیا گیا ہے[12]، تو طالب علم کے مقام کو اتنا بلند بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے ان کے راستہ میں پَر بچھاتے نظر آتے ہیں[13]، لیکن معاشرے کی موجودہ اخلاقی صورت حال نہایت افسوس ناک حد تک خراب نظر آتی ہے۔ علم و عرفان کے بڑے بڑے القابات، مسندوں، لوازماتِ زندگی کے نہایت اہتمامات کے باوجود اگر قتل و غارت، خون ریزی، تشدد، عدم برداشت و عدم رواداری، فساد و بگاڑ، جھوٹ، غیبت، بغض و حسد، بدگمانی، چغل خوری اور منشیات جیسی مہلک و تباہ کن برائیاں انجام پاتی رہیں، تو یہ غیر انسانی اور سماجی پستی کی بدترین صورت ہے۔ دوسری طرف غریب، نادار، مریضوں، یتیموں اور بے سہارا بچوں اور علاج معالجے کا خراب صورت حال، مالی اعتبار سے پریشان حال سماج، چوری وڈاکہ زنی، مالی غبن، بددیانتی و بدعنوانی، جمہوری، سیاسی اور اجتماعی خراب صورت حال کو مسجد کے منبر سے چند افراد کے سامنے وعظ و نصیحت سے درست نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کلیات و جامعات اور اس سے وابستہ افراد یعنی استاد و شاگرد اس میں بنیادی اور مثبت کردار ادا نہ کریں۔

جدید تعلیم اور وسائل کی کثرت کے ساتھ فحاشی و عریانی کے بڑھتے ہوئے حالات میں احساسِ ذمہ داری کم ہو گئی ہے اور غیر ذمہ دارانہ رویے اپنائے گئے ہیں۔ دینی احکام و تعلیمات اور دینی امور میں عدم دلچسپی کی وجہ سے الحاد جیسے مسائل معاشرے اور جامعات میں بڑھ رہے ہیں۔ عقیدہ توحید و رسالت جیسے حساس امور بھی غیر اہم ہو گئے ہیں۔ جس پر اقبال نے یوں نوحہ کیا تھا:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سر دارا
تمدن آفریں خلاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گھوارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلّم سے کوئی چارا[14]

اصلاح معاشرہ میں اسلامی اخلاق و اقدار کا کردار

معاشرہ یا سماج

انسانی افراد کا باہمی اختلاط وارتباط ہی معاشرہ یا سماج کہلاتا ہے۔ یہ باہمی اختلاط آج کسی سے مخفی وپوشیدہ نہیں، اس کی حالت و کیفیت ہر کوئی اپنی آنکھوں سے اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ اس حالتِ زار پر دانشورانِ قوم اور قائدینِ ملت کس قدر ماتم کناں اور اشک بار ہیں، اس کا اندازہ معاشرے کے ہر دردمند اور اصلاح کے لئے بے چین اور فکر مند فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، سے لگایا جاسکتا ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ ہم سبھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں۔

اصلاح معاشرہ کے لیے فکرمندی

ہم میں سے ہر کوئی چاہتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں عدل وانصاف، اخوت وبھائی چارہ اور آپس میں محبت ومودت ہو، اتحاد واتفاق کی فضا قائم ہو۔ لیکن چاہنے کے باوجود یہ خوبیاں اور اچھائیاں انسانیت سے رخصت ہو رہی ہیں اور ان کی جگہ شرور وفتن بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہے ہیں۔ انہی حالات کے تناظر میں اکثر لوگ طرح طرح کے سماجی واخلاقی بیماریوں کو دیکھ کر مایوس ہوتے نظر آتے ہیں۔ ہر طرف کشیدگی کا ماحول اور بے چینی کی کیفیت ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟

مسئولیت کا احساس

غور وفکر کا مقام ہے اور ماضی پر نوحہ کناں ہونے کے بجائے اس سے سیکھنے اور مستقبل کے لئے ٹھوس لائحہ عمل اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ آخر کون سا مسئلہ ہے جس کا حل اسلام میں موجود نہیں ہے، اور یہ صرف اسلام کا کمال یا خاصیت اور اس کی حقانیت کی واضح دلیل بھی ہے۔ ہمارے سماج کی اصلاح کا واحد حل یہ ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنی ذمہ داریوں کو ڈیوٹی سمجھ کر نہیں بلکہ عبادت سمجھ کر نبھائے اور اپنی کردار و گفتار کو سیرت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھالے تو یقیناً معاشرہ بدل جائے گا اور روح وقلب کے لیے باعث سکون واطمینان بھی ثابت ہو گا۔ معلم انسانیت ﷺ نے ان ذمہ داریوں کا احساس اس طرح دلایا:

أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[15]

"تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا"

باپ ہے تو اس پر اولاد کی تربیت کی ذمہ داری عائد ہے۔ اور اگر اولاد ہیں، تو ان پر والدین کی اطاعت اور خدمت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اسی طرح شوہر پر بیوی اور اولاد کی اصلاح اور نان ونفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور بیوی پر شوہر کی اطاعت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اسی طرح سماج کے دیگر طبقات کے ایک دوسرے کے اوپر حقوق و فرائض عائد ہوتے ہیں، جس کی ادائیگی سے معاشرے میں خوشحالی اور سکون آسکتا ہے۔

اسی طرح معلم اور طلبہ، حاکم اور محکوم، سیاسی رہنما اور عوام کے ایک دوسرے کے اوپر حقوق و فرائض عائد ہوتے ہیں، جس کی ادائیگی سے سماج میں تہذیب وشائستگی آسکتی ہے اور مستقبل کی تاریکی دور ہو سکتی ہے، بصورت دیگر قوم و

ملت پر مستقبل کے جنریشن کی تباہی و تنزلی کی ذمہ داری عائد ہوگی۔اور قیامت کے ہولناک منظر میں سلطانِ کائنات کے سامنے عدالتِ عالیہ میں اس جرمِ عظیم میں سرنگوں اور خوف زدہ کھڑی ہوگی، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

يُعۡرَضُونَ عَلَيۡهَا خَٰشِعِينَ مِنَ ٱلذُّلِّ يَنظُرُونَ مِن طَرۡفٍ خَفِيٍّ[16]

"اور تم دیکھو گے کہ یہ جہنم کے سامنے جب لائے جائیں گے تو ذلت کے مارے جھکے جا رہے ہوں گے اور اس کو نظر بچا بچا کر کن انکھیوں سے دیکھیں گے"

ایسے حالات میں ایک مثالی معاشرے قائم کرنے کے لیے دوسروں پر تنقید اور نکتہ چینی کے بجائے اصلاحِ احوال پر خود توجہ دینا ہوگی اور ہر ایک اپنے اور پرائے سے اچھے اخلاق سے پیش آنا پڑے گا اور اسلام کے زریں اصولوں کے پیش نظر معاشرے کی اصلاح پر توجہ دینا ہوگی تاکہ ہر فرد کو زندگی کا لطف ملے اور وہ سکون پائے۔تب ہی ہم بنیان مرصوص بننے کے حقیقی مستحق بھی بن سکیں گے اور اتحاد و اتفاق کی عظیم الشان قوت سے ہم سرفراز و سرشار بھی ہو جائیں گے۔ جس کے بارے میں ابو المجاہد زاہد[17] لکھتے ہیں:

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبین ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا کام بنے[18]

جبکہ اقبال ملتِ واحدہ کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم سب ایک دین کے ماننے والے ایک امت کے افراد ہیں، ہماری سب سے بڑا پہچان اسلام ہے لہذا سب اس میں گم ہو جائیں۔

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی[19]

اخلاق و کردار سازی کی اہمیت اور تعلیمات نبوی

آقائے نامدار ﷺ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مفکر، مصلح، فلسفی اور رہبر نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے تعلیم کا بنیادی مقصد انسانی معاشرے کی اصلاح اور خیر خواہی برائے رضائے الہی و محبت الہی قرار دیا ہے۔ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے اتباع کو کامیابی کے ساتھ اپنی محبت کا بھی ذریعہ بتایا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٞ[20]

"کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا مہربان ہے"[21]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصلاح معاشرہ کے لیے ہمیں رسول اللہ ﷺ کا ہی اتباع کرنا ہو گا، جس نے دین اسلام کی پیروی کا حکم دیا ہے، جو انسان کے لیے سب سے بڑی خیر خواہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: الدِّينَ النَّصِيحَةُ[22]

اس دین کی پیروی میں تمام انسانوں کی بھلائی ہے خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم۔ کوئی بھی اس کی دنیوی و اخروی فلاح سے محروم نہیں ہوتا، جیسا کہ اسی حدیث کے آخر میں ہے: وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ[23]

انسانوں کی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی پوری زندگی کے طور طریقے اسلاف نے ہمارے لیے محفوظ کر لیے ہیں جو انسانوں کے لیے روشن مینار کی طرح ہے۔ آپ کی زندگی اس قدر سادہ اور آسان تھی کہ جس پر چل کر گمراہی کا کوئی خوف نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ، وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ ﷺ [24]

دنیا میں بڑے بڑے فلسفی اور دانشور پیدا ہوئے، لیکن خود ان کے پاس کوئی روشنی نہیں تھی۔ لہذا کسی ایسے شخص کی پیروی کرنا جو خود ہدایت سے محروم ہو اور اس کا ہاتھ روشنی سے خالی ہو، وہ ہلاکت سے خالی نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ [25]

"اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو"

یہی وجہ ہے کہ معاشرتی اصلاح اور اس کی فلاح کا راستہ عمل کی گزرگاہ سے گزرتا ہے۔ ہر وہ قول جو عمل سے مزین ہو اثر رکھتا۔ لہذا کسی بھی کام کو رائج کرنے کے لیے نبوی طریقہ کار یہ ہے کہ بیان کرنے والا اسے پہلے عمل میں لے آئیں، ورنہ محنتیں رائیگاں جائیں گی جس سے اسلام نے سختی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ. كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ [26]

"مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے، خدا اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں"

سنت نبوی کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ جو کام آپ ﷺ نے معاشرے میں رائج کرنا چاہا، سب سے پہلے اس پر عمل کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے جب دعوت کا آغاز کیا تو اپنی سچائی اور صداقت [27] کا حوالہ دیا تو لوگوں نے بسہولت کہا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ صادق اور امین ہیں اور ہمیں آپ ﷺ کے کردار پر کوئی شک وشبہ نہیں، تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہو لا الہ الا اللہ تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

آج پاکستانی معاشرہ کئی قسم کی برائیوں میں مبتلا ہے، خواہ ذخیرہ اندوزی ہو، یا ملاوٹ، ناپ تول میں کمی ہو، یا دوسروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش، لوٹ مار ہو، یا ڈاکہ زنی، اغوا برائے تاوان ہو، یا قتل وغارت، وعدہ خلافی ہو، یا خیانت، بددیانتی ہو، چغل خوری، بہتان ہو یا غیبت، رشوت ستانی ہو یا جوا اور سود، ان سب کی عملی اصلاح سربراہان معاشرہ اپنے کردار کی درستگی سے کریں اور خود اس برائی کو ترک کر کے اصلاحِ احوال کی کوشش کریں، امید ہے معاشرہ بتدریج اصلاح کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ قرآن مجید نے ان سربراہان کی سب سے بڑی ذمہ داری یہی بیان کی ہے:

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ [28]

اصلاحِ معاشرہ کے اہم کردار: مسجد و مدرسہ یا کلیات اور جامعات

ایک زمانے تک مسجد و مدرسہ اہم مراکز اصلاح تھے اور امام (Leadership Skills) قائدانہ صلاحیتوں کا مالک اور اپنے علاقے کے اسلامی کمیونٹی سینٹر کا ذمے دار اور معاشرے کا اہم کردار ہوا کرتا تھا۔ لیکن بد قسمتی سے کالونیل دور سے اور اس کے بعد مغربی جمہوریت کے زیر اثر سیاسی جوڑ توڑ کے نتیجہ میں حکومتی مناصب کے حصول کے لیے اس اہم کردار کو سکیڑ کر محض عبادت تک محدود کر دیا گیا۔ سماج کی اکثریت نے حصولِ معاش کے لیے کلیات اور جامعات میں مستقبل کے معمارانِ قوم کو داخل کرایا۔ اس کے نتیجہ میں معاشرے کا ذہین و فطین عنصر محض دنیادار، مادہ پرستانہ ماحول میں چلا گیا۔ نتیجتاً مسجد و مدرسہ میں معاشرے کا وہ عنصر رہ گیا جس کے لیے وسائل یا حالات ناساز گار رہے۔ یوں مسجد و مدرسہ کا کردار محدود ہو کر رہ گیا۔ امام نے خود کو یا لوگوں نے محض مسجد کا امام تصور کر لیا ہے حالانکہ وہ معاشرے کا امام تھا، جس کو مناسب اوقات میں خصوصاً ہر جمعہ تمام معاشرتی رویوں اور برائیوں پر بات کرنے کی اجازت، ذمہ داری اور اہلیت ہونی چاہیئے تھی لیکن سماج اس کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے معاشرے کا رخ بدلنے اور سماجی سرگرمیوں میں ان کا عمل دخل کم یا ختم ہو کر رہ گیا جس کا نعم البدل کلیات و جامعات قرار پائے۔

جامعات کے کرنے کے چند بنیادی کام

اصلاح عقائد اور فلاح دنیا

عقیدہ توحید: رسول اللہ ﷺ نے سب سے بنیادی کام اصلاح عقیدہ کا فرمایا تھا جس کے گرد زندگی کے دیگر کام گھومتے ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے اس کی طرف دعوت دی اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، تُفْلِحُوا [29]

"اے لوگو! اس بات کا اقرار کرو کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، کامیاب ہو جاؤ گے"

اصلاحِ عقیدۂ توحید ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کیونکہ سماج کا بہت بڑا حصہ اس سے بے خبر اور توہمات کے ساتھ بے اعتدالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ تمام پیغمبروں کی تعلیم کا بنیادی نکتہ یہی عقیدہ کی اصلاح تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو سکھلایا کہ وہ اپنی قوموں سے یوں خطاب فرمائیں:

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ [30]

"اے میری برادری کے لوگوں خدا کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں"

لہذا ضروری ہے کہ اساتذہ بچوں کی عقیدہ کی اصلاح کی طرف توجہ دیں کیونکہ جامعات میں کثیر تعداد میں بچے الحاد کی طرف جارہے ہیں، جس کی ذمہ داری استاد پر عائد ہوتی ہے۔

عقیدہ رسالت: دین اسلام میں تین عقائد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، جن پر ایمان رکھنا مسلمانوں کے لیے لازم ہے۔ اور وہ ہیں توحید، رسالت اور آخرت۔ ان میں عقیدہ رسالت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالی نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے کم و بیش ایک لاکھ اور چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے ہیں۔ ان پیغمبروں میں سب سے آخری رسول حضرت محمد ﷺ ہیں، جن پر رسالت کا سلسلہ ختم ہوا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور رسول نہیں آئے گا، اس لیے اب تمام انسان کو آپ ﷺ پر ایمان لانا لازمی ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر کسی انسان کا نہ ایمان معتبر ہے اور نہ اس کے بغیر جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالی نے آخری نبی اور خاتم المرسلین[31] بنایا ہے اور دین کو آپ ﷺ کے ذریعے مکمل فرمایا ہے۔[32] آج جامعات کی اساتذہ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ائمہ اور اساتذہ کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے بچوں کے عقیدہ رسالت کی اصلاح کی طرف توجہ دیں۔

عقیدہ آخرت: جب انسان کا یہ عقیدہ درست ہو جائے اور اسے یہ بات یقین تک تسلیم ہو جائے کہ مجھے لازماً اور حقیقتاً ایک دن مرنا ہے اور یہاں دنیا میں مخلصانہ کیے ہوئے ہر نیک کام کا بہت اچھا اجر ملے گا۔ اور پھر جب وہ اس عقیدہ کے مطابق اپنے اعمال کرتا ہے تو نہ وہ کسی پر ظلم کر سکتا ہے اور نہ کسی ظلم پر خاموش رہ سکتا ہے، اور نہ اس پر کمپرومائز کر سکتا ہے، اور وہ ہر مظلوم اور محتاج کی بے لوث خدمت اپنی دینی ذمہ داری سمجھ کر کرے گا۔ مختصر یہ کہ وہ جس بھی ملک کا باشندہ ہو گا، انسانوں کے لیے ایک بہترین اور فائدہ مند شہری ہو گا۔ جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْخَلْقُ عَيَالُ الله فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله[33]

"مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور پس اللہ تعالیٰ کو وہ شخص محبوب ہے جو اس کے مخلوق کے ساتھ بھلائی کرتا ہے"

جبکہ دوسری جگہ اس سے بھی واضح انداز میں یوں فرمایا ہے:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ[34]

"لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے"

یہ تمام تر تبدیلی اور انسانی خیر خواہی کا عمل اصلاح عقیدہ کا کمال ہے۔ یہ اسلامی عقائد و تعلیمات کی خاصیت ہے کہ جو انسان کے اندر اس قسم کا عزم و حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ کہ وہ مشکل سے مشکل کام کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

اصلاح اخلاق و کردار:

بچوں کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت جو انسان کے اعمال کے درستگی کے محرک ہیں، اگر یہ درست ہو

جائیں تو اس کے ساتھ اکثر دیگر اخلاقی اور سماجی برائیوں کا علاج ہو جائے گا اور یہ باہمت اور باصلاحیت جوان مضبوط کردار کے مالک بن جائیں گے جو اپنے معاشرے کی فلاح کے لیے ہر وقت کمربستہ رہ سکتے ہیں جیسا کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ساتھیوں نے دنیا کا رخ موڑ دیا تھا۔

آج ہمیں اس طرز پر کلیات و جامعات میں مستقبل کے جوان معمارانِ قوم کی تربیت و اصلاح کی ضرورت ہے، تاکہ ان جوانوں کی بہترین صلاحیتوں سے امت اسلامیہ اچھی طرح مستفید ہو۔

بامقصد سرگرمیاں

آج امت مسلمہ جن مخدوش اور ناگفتہ بہ حالات سے گزر رہی ہے اس سے نکلنے کے لیے اگر کوئی امید کی کرن باقی ہے تو وہ امت کے نوجوان ہی ہو سکتے ہیں لہذا ان کی سرگرمیوں اور مشاغل کو بامقصد بنایا جائے۔ اسلام بامقصد اور صحت مندانہ سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جس سے ذہنی تازگی اور جسمانی صلاحیتوں میں اضافہ ہو۔ قرآن مجید کی کئی آیات اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کی کئی واقعات سے اس کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے درمیان دوڑ، نیزہ بازی اور کشتی جیسے مقابلے منعقد کراتے تھے۔ ان جیسی سرگرمیوں سے انسان کو فرحت و نشاط اور جسمانی تازگی ملتی ہے۔ قوتِ جسمانی ایک نعمت ہے جس کی حصول کے لیے اس قسم کی سرگرمیاں ضروری ہیں۔ آپ نے ایک توانا اور مضبوط مومن کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا:

الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ، احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ [35]

ایک قوی الجسم اور صلاحیتوں سے مالامال انسان دنیوی امور کے ساتھ ساتھ اخروی امور کو بھی بطریق احسن ادا کر سکتا ہے۔ حضرت سیدنا شعیبؑ کی صاحبزادی کا قول اس حوالے سے والدین کے لیے مشعل راہ ہے:

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ۔ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ [36]

"ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا" ابا جان، اس شخص کو نوکر رکھ لیجیے، بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو"

جب جسم مضبوط ہو اور اخلاق بھی مضبوط ملے تو امانتوں کا بوجھ بہتر طریقے سے اٹھایا جا سکتا ہے، جو اللہ کا حکم ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا [37]

"مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو"

ایک قوی اور مضبوط جسم والا مومن اللہ کے دین کی بہتر خدمت کر سکتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اس نعمت کے حصول کے لیے فارغ اوقات میں اس قسم کی بامقصد سرگرمیاں جو جسم اور عقل و فکر کی مضبوطی کا سبب بنتے ہیں،

آپ ﷺ کی حدیث مبارکہ میں اس کی حوصلہ افزائی ملتی ہے۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے درمیان تیر اندازی، گھوڑ و اونٹ دوڑ اور پہلوانی کے مقابلوں کی ترغیب دیا کرتے تھے اور اس پر آپ ﷺ مختلف انعامات بھی دیا کرتے تھے۔ یہ انعامات اول تا چہارم اور پنجم آنے والے مختلف افراد کو ملتے تھے۔[38] اور ایسی سرگرمیاں نہ صرف فارغ اوقات کا صحیح مصرف ہیں بلکہ اس سے تفریح طبع کے ساتھ جسم وعقل کی نشوونما بھی ہوتی ہے۔

لہٰذا طالب علم کو فارغ اوقات میں ایسے مشاغل اور سرگرمیاں ترتیب دینی چاہئے جو اس کے صلاحیتوں میں ہمہ جہد اضافے کا سبب ہو اور امت کو بہتر اور ماہر افراد کار بھی میسر آسکیں۔ اور غلط و ناجائز مشاغل میں مصروف ہونے اور تضیع اوقات سے نسلِ نو بچ بھی جائے۔

اگر ان بامقصد سرگرمیوں کے نتیجے میں کچھ باکمال افراد امت کو مل جائیں تو غنیمت سے کم نہیں ہے اور یہ ایک صدقہ جاریہ بھی ہوگا۔ اس کا اندازہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے جو آپؓ نے عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کو (چار ہزار فوجی کمک کے ساتھ چار مخصوص افراد بھیجتے ہوئے) کہا تھا کہ ان چار افراد میں سے ہر فرد ایک ہزار کے برابر ہے۔ اسی طرح مجموعی فوج کو بارہ ہزار سمجھو (پہلے آپؓ کے پاس چار ہزار فوج تھی اور چار ہزار کمک جن میں یہ چار افراد تھے ، بھیجی تھی اور ساتھ کہا تھا کہ) بارہ ہزار افراد کو اس سے کم افراد سے شکست نہیں کھانا چاہیئے[39]۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے ہاں باصلاحیت افراد کی کتنی قدر و قیمت تھی۔ اسی طرح علمی اور بامقصد کوئز، سوالات اور بیت بازی کے مقابلے طالب علموں کے ذہنی و فکری صلاحیتوں میں اضافے کا سبب ہوتا ہے۔

صبر و استقامت اور ایثار و قربانی

طلبہ کے اندر ایسی شجاعت پیدا کرنا کہ وہ نفس کو ایسے کاموں سے روکے رکھیں جو عقلاً یا شرعاً منع ہیں۔[40] اپنے نفس کو اضطراب و گھبراہٹ اور کم ہمتی سے روکنا اور اعلیٰ مقاصد کیلئے ثابت قدمی و استقلال اختیار کرنا، نفس کو حرام و ناجائز کاموں سے روکنا، اطاعتِ شریعت و عبادت پر نفس کا استقلال اور حق کے راستے میں آفات و مصائب پر صبر و استقامت اور نتائج کیلئے بے صبری دکھانے سے اپنے آپ کو روکنا قرآنی تعلیم اور پیغمبرانہ شیوہ ہے جیسے صبر و شجاعت بھی کہتے ہیں۔ دشمنوں کے مکر وفریب کے مقابلے میں صبر اور شجاعت ایک زبردست ہتھیار ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا [41]

عظیم مقاصد کے حصول کیلئے صبر و استقامت اجر و جنت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور پھر جب یہ جدوجہد اجتماعی مقاصد اور امت مسلمہ کی عزت و شوکت اور وقار کے قیام کے لیے کی جائے تو کس قدر اجر و ثواب اور بدلہ ملے گا؟ آپ ﷺ نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا:

ابْنَ آدَمَ، إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الأُولَى، لَمْ أَرْضَ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ[42]

"ابن آدم اگر تو نے صدمے کے شروع میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں تیرے لیے جنت سے کم بدلے پر راضی نہیں ہوں گا"

نامساعد حالات میں اسلام نے ایثار و قربانی اور صبر کے ذریعے اپنے ماننے والوں کو قابو میں رکھا، جو ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ گھر بار چھوڑ کر بے خوفی سے ہجرت کی، جہاد میں شریک ہوئے اور ایثار و قربانی کے بے شمار واقعات پیش آئے۔ انصار نے مہاجرین کو غریب الدیار اور اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا اور یوں اسلام کو چار دانگ عالم میں پھیلنے کا موقع ملا اور اصول کی حکمرانی ممکن ہوئی۔ آج پھر سے اس چیز کی اشد ضرورت ہے کہ نوجوانوں میں ایثار و قربانی کا جذبہ کوٹ کوٹ بھرا جائے اور اس کو انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی، ملکی اور بین الاقوامی سطح تک پھیلایا جائے تاکہ ایک منظم اور ہمہ گیر امت کو کھڑا کیا جا سکے جو شر و فساد اور بے چینی و بے قاعدگی اور دورِ جدید کے الحاد کا خاتمہ کریں۔

نتائج بحث

ہمارے اعلیٰ تعلیمی ادارے مقاصدِ تعلیم سے ہم آہنگ نہیں ہیں اور ان میں قرارداد مقاصد، آئین پاکستان اور اعلیٰ تعلیمی کمیشن (ایچ ای سی) کے طے شدہ مقاصد کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ تعلیم کا مقصد با اخلاق، باشعور اور بامقصد شہریوں کو پروان چڑھانا ہے، جو حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ استاد اور طالب علم تعلیمی عمل کے بنیادی کردار ہیں، جو بے مقصدیت کے راستے پر گامزن ہیں۔ پائداری کی بجائے مقاصدِ تعلیم کو عارضی اور محض دنیاوی بہتری تک محدود کیا جا رہا ہے۔ ان تمام امور میں بہتری لانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ مستقبل کے معماران ایک روشن مستقبل کی طرف گامزن ہوں اور اصول کی حکمرانی قائم ہو۔

تجاویز و سفارشات

- اعلیٰ تعلیمی اداروں کے کام کو مقاصد تعلیم سے ہم آہنگ کیا جائے۔
- قرارداد مقاصد، آئین پاکستان اور اعلیٰ تعلیمی کمیشن کے تناظر میں مقاصدِ تعلیم کے حصول کو یقینی بنایا جائے۔
- تعلیم کا مقاصد پاکیزہ، با اخلاق، باشعور اور بامقصد شہریوں کو پروان چڑھانا ہوتا ہے، اسے یقینی بنایا جائے۔
- استاد اور طالب علم کے بنیادی تعلیمی کردار کو پھر سے بامقصد اور فعال بنایا جائے۔
- تعلیم کو عارضی اور محض محدود دنیاوی فوائد کے حصول کی بجائے اعلیٰ اور پائدار مقاصد سے جوڑا جائے۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ اس تناظر میں سیرت النبی کے کتب سے ہر طرح کا استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

2۔ سلیم محمود (سیکڑی قومی اسمبلی پاکستان)، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، اسلام آباد، اشاعت سوم، 31 جولائی، 2004ء شق ۳۱(۱)

3۔ ایضاً، شق ۳۱(۲)

4۔ ایضاً، شق ۳۷

5۔ ایضاً، شق ۲(الف)

6۔ مشتاق الرحمان صدیقی، ڈاکٹر، تعلیم و تدریس، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، 1992ء، ص 84، 83

7۔ دیکھیے: سید مناظر حسن گیلانی، مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008، ص 205، 206

8۔ محولہ بالا

9. Wasiullah Khan, M. *"Education and Society in the Muslim World"* Hodder, and Stoughton, 1981, p. 274

10۔ «إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ» (القضاعي، أبو عبد الله محمد بن سلامة، مسند الشهاب، تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، مؤسسة الرسالة، بيروت، 1986م، حديث: 1165)

11۔ «إِنَّ الْعَالِمَ وَالْمُتَعَلِّمَ شَرِيكَانِ فِي الْأَجْرِ» (يوسف بن عبد البر، جامع بيان العلم وفضله، تحقيق: أبي الأشبال الزهيري، دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية، 1994م، حديث: 137)

12۔ «مَوْتُ الْعَالِمِ ثُلْمَةٌ فِي الْإِسْلَامِ لَا يَسُدُّهَا شَيْءٌ مَا اخْتَلَفَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ» (الدَّارِمِيَّ، امام عَبْدُ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، سنن الدارمي، تحقيق: حسين سليم أسد، دار المغني، س ن، حديث: 333)

13۔ «وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، حَتَّى الْحِيتَانِ فِي الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ» (ابن ماجه، أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني، سنن، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء الكتب العربية، بيروت، حديث: 223)

14۔ علامہ اقبال، بانگ درا، خطاب بہ جوانانِ اسلام، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، 1977، ص 180

15۔ مسلم بن حجاج، أبو الحسين، صحيح مسلم، كتاب الامارہ، باب فَضِيلَةِ الْإِمَامِ الْعَادِلِ وَعُقُوبَةِ الْجَائِرِ وَالْحَثِّ عَلَى الرِّفْقِ بِالرَّعِيَّةِ، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، مطبعة عيسى البابي الحلبي وشركاه، القاهرة، 1955م، حديث: 1829

16۔ سورۃ الشوریٰ: 42/45

17۔ آپ کی پیدائش ۲۸ جون ۱۹۲۸ء میں اترپردیش کے ضلع لکھیم پور کھیری میں ہوئی۔ آپ بچوں کے اسلامی شاعر کی حیثیت سے اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ کئی ایک غزلیں اور نظمیں لکھیں۔ مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی کے شعبہ تعلیمات سے وابستہ رہے ہیں۔

Read more at Afkarenau ابو المجاہد زاہد: بچوں کے اسلامی شاعر http://afkarenau.com/?p=1846

18. https://www.rekhta.org/couplets/ek-ho-jaaen-to-ban-sakte-hain-khurshiid-e-mubiin-abul-mujahid-zahid-couplets?lang=ur

19۔ اقبال، بانگ درا، طلوع اسلام، ص 270

20۔ سورۃ آل عمران:31/3

21سورۃ آل عمران:31/3

22۔ أحمد بن حنبل، امام، المسند، تحقیق: شعیب الأرنؤوط وآخرون، مؤسسة الرسالة، 2001م، حدیث:15940

23۔ ایضاً

24۔ مالک بن انس، امام، موطأ، تحقیق: بشار عواد وغیرہ، مؤسسة الرسالة، 1412ھ، حدیث:1874

25۔ سورۃ البقرۃ:195/2

26۔ سورۃ الصف:61/2-3

27۔ "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ" (سورۃ یونس:16/10)

ترجمہ: اس سے پہلے بھی ایک عمر (40 سال) تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، تو کیا تم لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے؟

28۔ سورۃ الحج:41/22

29۔ مسند امام أحمد بن حنبل، حدیث:16023

30۔ الاعراف:59/7

31۔ "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ" (سورۃ الاحزاب:40/33)

32۔ "الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا" (سورۃ المائدہ:3/5)

33۔ خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح، مکتبہ العلمیہ، بیروت، س ن، حدیث نمبر 4998

34۔ متقی ہندی، علی، کنز العمال، مکتبہ العلمیہ، بیروت، س ن، حدیث نمبر 44154، 201/8،

35۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب القدر، باب في الأمر بالقوة وترک العجز. والاستعانة بالله، وتفويض المقادير لله، حدیث نمبر:2664، 2052/4

36۔ سورۃ القصص:26/28

37۔ سورۃ النساء:58/4

38۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، 1981ء، ص:295، محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، 2007، ص199، 234

39۔ علاّمہ یوسف قرضاوی، في فقہ الأولويات: دراسة جديدة في ضوء القرآن والسنة، مترجم: گل زادہ شیر پاؤ (دین میں ترجیحات)، منشورات، لاہور، 2012ء، ص73

40۔ راغب اصفهانی، الحسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، تحقیق: صفوان عدنان داودی، دار العلم، دمشق، بیروت، 1412ھ، ص273

41۔ سورۃ ال عمران:120/3

42۔ ابن ماجہ، السنن، كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّبْرِ عَلَى الْمُصِيبَةِ، حدیث نمبر:1597، ۵۰۹/۱